© rasailojaraid.com

اسلام میں اختلاف کے آداب

(۳)

اہلِ اجتہاد صحابہ کرام

ترجمہ و تلخیص: جناب عبد الحی ابڑو صاحب - اسلامی یونیورسٹی - اسلام آباد

اجتہاد کی اہمیت اور نزاکت اور اس پر مرتب ہونے والے اثرات کے پیش نظر اس جولان گاہ میں وہی صحابہ کرام اترے جو اس کی صلاحیت و قدرت سے بہرہ ور تھے۔ اس لیے جب ایسی صلاحیت نہ رکھنے والا کوئی شخص اجتہاد کر کے غلطی کر بیٹھتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرماتے اور اس کی منظوری نہ دیتے۔

ابوداؤد اور دارقطنی نے حضرت جابرؓ سے روایت کی۔ وہ فرماتے ہیں:

"ہم ایک مرتبہ سفر پہ تھے کہ ہمارے ایک ساتھی کے سر پہ پتھر آ لگا اور اسے احتلام بھی ہو گیا تھا، اس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ کیا میں تیمم کر سکتا ہوں؟ جواب میں انہوں نے اسے بتایا کہ آپ چونکہ پانی استعمال کرنے پہ قادر ہیں، لہٰذا تیمم کرنے کی اجازت نہیں، چنانچہ اس نے غسل کیا جس سے اس کی موت واقع ہو گئی۔ ہم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور واپس پہنچے اور انہیں اس واقعہ کے متعلق خبر دی تو آپؐ نے فرمایا "انہوں نے اسے مار ڈالا - خدا انہیں ہلاک کرے۔ جب انہیں مسئلے کا پتہ نہیں تھا تو کسی (اہل علم) سے کیوں نہیں پوچھا۔ اس لیے کہ بے علم شخص کا علاج پوچھنا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہی ہے۔ اس کے لیے تیمم کر لینا کافی تھا۔ وہ اپنے زخم پر پٹی باندھ کر اس پر مسح کر لیتا، اور باقی بدن کو دھو لیتا ...." [1]

یہاں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتویٰ دینے والے اصحاب کے عذر کو قابل قبول نہیں سمجھا بلکہ ان سے سختی سے پیش آئے اور بلا علم فتویٰ دینے کی مذمت کی اور انہیں اپنے بھائی کا قاتل ٹھہرایا۔ اور وضاحت سے فرمادیا کہ جہالت و لاعلمی کی صورت میں انسان کو اہلِ علم سے پوچھنا چاہیے لاعلمی کی صورت میں فتویٰ میں جلد بازی سے گریز کرنا چاہیے۔ اس بات کی طرف قرآن کریم نے بھی اشارہ کیا ہے:

فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (النحل: ۴۳)

"اہلِ ذکر سے پوچھ لو اگر تم خود نہیں جانتے۔"

امام احمد، بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی اور طبرانی نے اسامہ بن زید سے ایک روایت بیان کی ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سریہ (جنگ) میں بھیجا جب ہم بنو جُہَینہ کے علاقہ "حرقات" میں پہنچے تو صبح کا وقت تھا۔ میں نے وہاں پر موجود ایک آدمی کو پکڑ کر گرا لیا۔ تو اس نے کلمہ طیبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھا، مگر میں نے اس کے باوجود اُسے نیزہ مارا جس سے اس کی ہلاکت ہو گئی، میرے دل میں اس کے متعلق خلش سی پیدا ہوئی۔ جس کا ذکر میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ آپ نے فرمایا "کیا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھنے کے باوجود تم نے اُسے قتل کر ڈالا؟" میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نے محض ڈر کے مارے کلمہ پڑھا تھا۔ آپ نے فرمایا "کیا تم نے اس کا دل چیر کر یہ معلوم کر لیا تھا کہ اس نے محض ڈر کے مارے ایسا کہا ہے؟ قیامت کے دن اس کے کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سے تمہیں کون چھڑائے گا؟" آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بار بار یہ بات دہراتے رہے۔ یہاں تک کہ میرے دل میں یہ تمنا پیدا ہوئی کہ کاش میں آج سے پہلے

---

[1] سنن ابی داؤد "باب المجدور تیمم" حدیث نمبر ۳۳۶ - ابن ماجہ حدیث نمبر ۵۷۲، اور دیکھیے نیل الاوطار: ۱/۳۲۳ -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلمان نہ ہوا ہوتا[1]۔ اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ ایسی صورت میں انہیں آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی سے دوچار نہ ہونا پڑتا۔

پہلی حدیث میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کے اس استدلال کو درست قرار نہیں دیا جس کے مطابق انہوں نے عام دلائل کی روشنی میں پانی کی موجودگی کی صورت میں اس کے استعمال کو ضروری قرار دیا۔ چاہے پانی استعمال کرنے والے شخص کے حالات کچھ بھی ہوں۔ ان کا ذہن اس آیت کی طرف متوجہ نہ ہوسکا

وان كنتم مرضى او على سفر او جاء احد منكم من الغائط او لمستم النساء فلم تجدوا ماء فتيمموا صعيدا طيبا۔

(المائدہ - ۶)

"اگر تم بیمار ہو یا سفر کی حالت میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص رفع حاجت کر کے آئے یا تم نے اپنی عورتوں سے مباشرت کی ہو۔ اور پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کر لو"

پھر انہوں نے کسی اہل علم سے سوال بھی نہیں کیا، درآنحالیکہ وہ اہل اجتہاد بھی نہ تھے۔

رہی حدیث اسامہ رضی اللہ عنہ، تو شاید انہوں نے آیت کریمہ (...... فلم يك ينفعهم ايمانهم لما راوا باسنا......" (المومن: ۸۵) مگر ہمارا عذاب دیکھ لینے کے بعد ان کا ایمان ان کے لیے کچھ بھی نافع نہ ہوسکتا تھا) سے یہ مفہوم نکالا ہو کہ موت کو سامنے دیکھ کر ایمان قبول کرنا جس طرح آخرت میں کوئی نفع نہیں پہنچا سکتا اسی طرح دنیا میں بھی سودمند نہیں ہوگا۔ (جیسا کہ آیت کریمہ کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے، جب کہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے اور اسی بنا پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سرزنش کی۔)

صحابہ کرامؓ کے فتاوٰی کے یہ چند نمونے ایسے ہیں جن سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اتفاق نہیں فرمایا[2]۔

---

[1] یہ حدیث مختلف الفاظ کے ساتھ روایت ہوئی ہے، دیکھیے: صحیح البخاری - کتاب المغازی باب بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم اسامہ بن زیدؓ الی الحرقات۔

[2] ابن حزم نے ایسے کئی فتاوٰی جمع کیے ہیں جنہیں رسول اکرم نے قبول نہیں کیا، دیکھیں: الاحکام ۶/۸۴-۸۵ اور ۲/۱۲۶-۱۲۷۔

© rasailojaraid.com

اکثر لوگ آپؐ سے اپنی روزمرہ زندگی میں پیش آمدہ مسائل و واقعات کے بارے میں استفسار کرتے جن کے متعلق حضورؐ انہیں جواب مرحمت فرماتے۔ نیز ان کے درمیان تنازعات کے فیصلے فرماتے[1] ان کے اچھے کام دیکھ کر پسند فرماتے اور کرنے والے کی تعریف کرتے، خلافِ شرع کام کو ناپسند فرماتے ۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان تمام چیزوں کو سیکھتے۔ انہیں آگے بیان کرتے جس سے لوگوں میں ان کا چرچا ہوتا۔ کبھی ان کا آپس میں اختلاف بھی ہو جاتا۔ اور ایسی صورت میں وہ اختلافی مسائل کے بارے میں اپنی آرا پیش کرتے اور اس سے ان کا مطمعِ نظر حق کی تلاش ہوتا، نہ کہ خواہ مخواہ تنازعہ اور اختلاف برائے اختلاف، وہ ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنے اور الزامات کے تبادلے سے بھی گریز کیا کرتے تھے۔ اس لیے کہ کتاب و سنت کو وہ اپنا مرجع مان کر تمام اختلافات کو اس کی روشنی میں حل کر دیتے تھے کوئی ایسی چیز باقی نہ رہنے دیتے جو ان کی اخوت و محبت کو متاثر کرتی۔

اختلاف برائے اختلاف سے پرہیز

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ اس امت کی بقا اس پر موقوف ہے کہ جو دل اللہ کی محبت کی خاطر اکٹھے ہوئے ہیں، ان کی آپس میں الفت و محبت قائم و دائم رہے۔ کیونکہ اگر ایک مرتبہ دلوں میں دُوری اور کدورت پیدا ہو گئی تو یہ چیز اُمت کی تباہی و بربادی پر منتج ہو گی۔ اسی لیے آپ صحابہ کرامؓ کو اختلاف برائے اختلاف سے باز رہنے کی تلقین فرماتے۔ اور فرماتے تھے:

"لا تختلفوا فتختلف قلوبکم"[2] یعنی اختلاف برائے اختلاف سے بچو، ورنہ تمہارے دل بھی اختلاف و منافرت کا شکار ہو جائیں گے"۔ صحابہ کرام بھی یہ بات خوب جانتے تھے کہ اختلاف برائے اختلاف کا نتیجہ کبھی بھی بہتر نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا نتیجہ ہمیشہ شر ہی کی صورت میں برآمد ہوتا ہے، جیسا کہ حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں۔ "الخلاف شر"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اختلاف کی بیخ کنی اس کے پیدا ہونے سے پہلے ہی فرما دیتے۔

---

[1] دیکھیے حجۃ اللہ البالغہ (شاہ ولی اللہ) ۱/ ۲۹۸

[2] بخاری ۔ کما فی الجامع الصغیر ۲/ ۲۹۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: میں ایک دن دوپہر کے وقت آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کو دو اشخاص کی آواز سنائی دی جو ایک دوسرے سے ایک آیت کے بارے میں اختلاف کر رہے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غصے کی حالت میں باہر تشریف لائے اور فرمایا:

"تم سے پہلے کی اُمتیں کتاب اللہ میں اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک و برباد ہوئی تھیں"[1]

نزال بن سبرہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا:

"میں نے ایک شخص کو ایک آیت اس طریقے کے خلاف پڑھتے سنا جس طریقے سے میں نے یہ آیت آپؐ سے سنی تھی، میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور حضورؐ کے پاس لے کر آیا تو آپؐ نے فرمایا: "دونوں کی قراءت درست ہے" شعبہ (راوی) کہتے ہیں کہ آپؐ نے غالباً یہ بھی فرمایا:

"آپس میں اختلاف سے بچو، کیونکہ سابقہ اُمتیں آپس کے اختلاف کی وجہ سے ہی ہلاک ہوئیں"[2]

یہاں آپؐ نے صحابہ کرام کو اور بعد میں آنے والی نسلوں کو اختلاف برائے اختلاف کے نتائج سے آگاہ فرما کر اس سے دُور رہنے کی تلقین کی ہے۔ صحابہ کرامؓ کو آپؐ نے قرآن کریم کی قراءت کے بارے میں اختلاف کے آداب کے متعلق خاص تلقین فرمائی ہے، آپ کا ارشاد گرامی ہے۔

"جب تک تمہارے دل آپس میں ملے رہیں۔ اُس وقت تک قرآن کی تلاوت کرو، اور جب اس میں تمہارے درمیان اختلاف ہو جائے تو اُٹھ کر کھڑے ہو جاؤ"[3]

---

[1] دیکھیے: الاحکام لابن حزم: ۵/۶۶

[2] ایضاً، صحیح البخاری "باب کراھیۃ الاختلاف" ۱۳/۲۸۹۔ اور "باب نزل القرآن علی سبعۃ الاحرف" ۶/۲۲۔ ۳۶۔

[3] بخاری، مسلم، احمد اور امام نسائی نے اس حدیث کو روایت کیا ہے (الجامع الصغیر ۱/۸۶)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عہدِ نبویؐ میں آدابِ اختلاف کے چند نقوش

عہدِ نبویؐ میں آدابِ اختلاف کے چند واقعات کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱۔ صحابہ کرامؓ کی حتی الوسع یہ کوشش ہوتی تھی کہ اختلاف پیدا نہ ہو۔ اس لیے وہ فرضی مسائل میں اُلجھنے اور جزئیات نکالنے سے بالعموم گریز کیا کرتے تھے[1] اور صرف پیش آمدہ واقعات کا سنتِ نبوی کی روشنی میں حل بتا دیتے تھے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اگر پیش آمدہ واقعے کے حل پر اکتفا کیا جائے تو ایسی صورت میں بحث یا جھگڑے کا امکان بہت کم رہ جاتا ہے، چہ جائیکہ تنازعے اور عناد کی صورتیں پیدا ہوں۔

۲۔ اختلاف سے بچنے کی تمام ممکنہ تدابیر اختیار کرنے کے باوجود اگر اختلاف واقع ہوتا تو مختلف فیہ معاملے کا فوراً کتاب اللہ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی روشنی میں جائزہ لیتے۔ نتیجۃً وہ اختلاف فوراً دُور ہو جاتا۔

۳۔ کسی معاملہ میں اللہ اور اس کے رسولؐ کا حکم معلوم ہو جانے کے بعد وہ فوراً سرِ تسلیم خم کر دیتے۔ اس کی پابندی کرنا ان کا شیوہ بن جاتا۔

۴۔ جو امور تاویل کے متحمل ہوتے، ان میں صحابہ کرامؓ کے مابین اختلاف آرا کی صورت میں حضورؐ اُن کی رہنمائی فرماتے۔ پھر اختلاف رائے کی صورت میں ہر فریق کو یہ احساس بھی رہتا کہ اس کے دوسرے بھائی کی رائے میں بھی اسی طرح درستگی کا امکان موجود ہے جتنا اس کے اپنے خیال کے مطابق اس کی اپنی رائے میں ہے۔ یہ احساس بذاتِ خود اس بات کا ضامن تھا کہ ایک دوسرے کے احترام پر کوئی آنچ نہ آنے دی جائے۔ اور کسی رائے کے رد یا قبول کے بارے میں بے جا اصرار نہ کیا جائے۔

۵۔ وہ تقویٰ کا دامن پکڑے رہتے اور نفسانی خواہشات سے اجتناب کرتے، چنانچہ اختلاف کرنے والوں کا منتہائے مقصود صرف حقیقت تک رسائی ہی ہوتا۔ قطع نظر اس سے کہ

(باقی بر صفحہ ۵۰)

[1] دیکھیے فتح الباری ۱۳/۲۱۹ – ۲۲۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روزہ اور اُس کے مقاصد

جناب عبد الرشید عراقی صاحب - سوہدرہ -

اسلام کے چار بنیادی ارکان میں روزہ ایک اہم رکن ہے اور روزہ کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ [1]

"اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے جیسا کہ ان لوگوں پر فرض کیے گئے جو تم سے پہلے تھے، عجب نہیں کہ تم متقی بن جاؤ۔"

یہودیوں کا روزہ

یہودی مذہب میں بھی روزہ کا ثبوت ملتا ہے اور اس میں ایک روزہ وہ ہے، جو کفارہ کے طور پر رکھا جاتا ہے اور اس کے علاوہ مسلسل روزہ بھی ہے جس کا تعلق قدیم حوادث اور واقعات سے ہے۔ اور ان روزوں کے علاوہ کچھ روزے اور بھی ہیں جو ان مختلف المناک حوادث کی یاد میں رکھے جاتے ہیں، جو یہودیوں کو پیش آئے۔

روزہ یہودیوں میں اشراق کے وقت شروع ہوتا ہے اور رات کے پہلے تارہ تک جاری رہتا ہے۔ سوائے اس روزہ کے جو کفارہ کے لیے ہے۔ اور مئی کے نویں روز رکھا جاتا ہے۔ یہ روزہ شام سے شام تک چلتا ہے۔ عام روزوں کے لیے کوئی خاص احکام و قوانین نہیں ہیں۔ روزہ میں صدقہ

---

[1] البقرہ - ۱۸۳

© rasailojaraid.com